”جمیل الدین عالی آور "روزنامہ جنگ" کراچی کے چند منتخب اردو کالم نگار: موضوعات اور اسلوب کا تقابلی مطالعہ“

راحیل شکیل احمد
ریسرچ اسکالر شعبہ اُردو، جامعہ کراچی
ڈاکٹر محمد ساجد خان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

Abstract

Column writing is a special component of newspaper, through which various topic can be described and solutions to the problems can also be described. In Urdu newspaper column writing start bit later. But soon it got diversified and different types of column. Started being written, like serious, juridical, symbolic, medical, religious, psychological columns etc.

Even before the establishment of Pakistan, the formal form of Urdu Column had come to due to the fore, regular column writing had also started in Jung Akhbar and during this period there are some famous name who frequently wrote columns in Jang Akhbar, Including Jameel-uddin Aali, Irshad Ahmed Haqqani, Rais Amrohvi, Abdul Qadir Hassan and Zahida Hina are particularly noteworthy. These people wrote columns on various topics, discussed various issues and explained the problems of the people and their causes and reasons. These people were contemporaries, but their styles remained the same.

Keywords: *Column, Newspaper, Solution, Problems, Poetry*

کالم قدیم فرانسیسی زبان کا لفظ (COLUMN) اور لاطینی زبان کا لفظ COLUMNA سے انگریزی زبان میں آیا ہے اس کے لغوی معنی لاٹھ، کھمبا، ستون وغیرہ کے ہیں اس کے دوسرے معنوں میں عمودی ترتیب سے رکھی گئی چیزوں کو کالم کہتے ہیں۔

صحافتی معنوں میں کالم سے مراد اخبار کے صفحے کی عمودی تقسیم ہے۔ عموماً پاکستان کے زیادہ تر اخبارات آٹھ کالموں میں منقسم ہوتے ہیں۔ خبروں کی ترتیب خبروں کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے صحافت کے میدان میں کالم کی اصطلاح ایک خاص صنف تحریر کے لیے بھی مستعمل ہے ایک ایسی تحریر جس میں معاشرتی احساسات، جذبات اور مسائل پر زور قلم صرف کیا گیا ہو۔ کالم میں خاص اسلوب اور علامتی تحریر کے ذریعے مختلف حالات و واقعات کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔ سیاست، معیشت، معاشرت تعلیم، اقتصادیات، نفسیات، سائنس، طبیعات، تاریخ غرض زندگی اور معاشرے کے ہر پہلو کو کالم کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

کالم نویسی کے حوالے سے سید اقبال قادری اپنی کتاب رہبر اخبار نویسی میں لکھتے ہیں:

"کالم ایک ایسا مسلسل صحافتی فیچر ہے جس میں کالم نویس منتخب موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کسی بھی معاملہ کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔" 1

کالم کی ایک تعریف یوں بھی ملتی ہے کہ:

"اخبار یا رسالے میں کسی مستقل عنوان کے تحت لکھنے والے کے نام کے ساتھ باقاعدگی سے شائع ہونے والی ایسی منفرد تحریر کالم کہلاتی ہے جس میں تازہ حالات و واقعات کے پس منظر میں زندگی یا معاشرے کے کسی ایک یا ایک سے زیادہ پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہو۔" 2

کالم کئی طرح کے ہوتے ہیں فکاہیہ، سنجیدہ، اقتباسی، ترکیبی، مکتوباتی، علامتی، طبی، دینی، قانونی، نفسیاتی، اقتصادیاتی، سیاحتی، فیشن، ڈائری نما کالم وغیرہ۔

کالم نگاری کی ابتداء امریکہ سے فکاہی کالم سے ہوئی اگرچہ کہ اس وقت کالم کی وہ واضح صورت نہیں تھی جو کہ آج کل ہے لیکن ان کالم میں لکھنے والوں کا نام شائع ہوتا اور ہفتہ وار "ویکلی میوزیم" میں "جوزف ڈینسی" کے نام سے شائع ہوتا تھا۔

اردو میں صحافت کی ابتداء 27، مارچ 1822ء جامِ جہاں نما سے ہوئی۔ ابتدائی دور میں صحافت میں کالم نگاری کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ نہ ہی کوئی الگ سی صورت میں کالم سامنے آتا تھا۔ ایڈیٹر خبروں ہی میں اپنی رائے کا اظہار کر دیتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ خبریں واقعاتی حقائق تک محدود ہوئیں اور خبروں سے تبصرہ، رائے زنی کو علیحدہ کیا تو اس طرح خبریں اور دیگر اصناف کی علیحدہ علیحدہ حیثیت متعین ہونا شروع ہوئیں۔ بیسویں صدی کے ربع

اول سے ہمیں کالم نگاری کی ابتداء ملتی ہے۔ 1912ء میں ابوالکلام آزاد نے "الہلال" اخبار میں "افکار و حوادث" کے نام سے کالم لکھنا شروع کیا۔

1917ء میں "ستارہ صبح" نام کے اخبار سے فکاہیہ کالموں کی ابتداء ہوئی۔ کالموں کا یہ سلسلہ چند ترامیم کے ساتھ چلتا رہا آزادی سے پہلے لکھنے والوں میں ظفر علی خان، چراغ حسن حسرت، بلال احمد زبیری، حیات اللہ انصاری، حمید نظامی وغیرہ اہم نام ہیں اس دور میں زیادہ تر کالم فکاہیہ تھے علمی بحث اور سیاسی چھیڑ چھاڑ ملتی ہے علم و ادب اور زبان و بیان کو خاص اہمیت حاصل رہی بلکہ بین الاقوامی واقعات و حالات اور سنجیدہ موضوعات پر کم لکھا گیا۔

قیام پاکستان سے پہلے ہی کالم کے موضوعات میں خاصی تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور اس میں سنجیدہ کالم اور حالات و واقعات پر تبصرہ کرنے والے کالم بھی منظر عام پر آنے لگے زیادہ تر رجحان سیاسی ہوا کرتے تھے۔ ایسے کچھ لکھنے والوں میں جمیل الدین عالیؔ، ارشاد احمد حقانی، عبد القادر حسن، رئیس امروہوی اور زاہدہ حنا وغیرہ شامل ہیں۔

عالیؔ صاحب کی زندگی کا ایک اہم پہلو صحافت بھی ہے جو کم و بیش 50 برس کے عرصے پر محیط ہے جس کا آغاز 1963ء سے ہوا۔ عالی صاحب کے عہد میں اور بھی اہل قلم ایسے تھے جو ادبی تحقیق کے ساتھ ساتھ کالم نگاری بھی کرتے تھے جو ایک جانب ادب کی خدمت میں کوشاں تھے اور دوسری جانب عالی صاحب کی طرح کالم نگاری بھی کرتے تھے۔ لیکن ان میں زیادہ تر باقاعدہ صحافی تھے اور صحافت کی راہ کے ہر پیچ و خم سے بخوبی واقف تھے۔ عالی صاحب کے جنگ اخبار کے معاصرین ہی کا اگر تذکرہ کیا جائے تو ان میں رئیس امروہوی، ارشاد احمد حقانی، عبد القادر حسن اور زاہدہ حنا خاص طور پر وہ اہم صحافی ہیں جو اردو کالم نگاری میں اہمیت کے حامل ہیں۔

عالیؔ صاحب کے کالموں میں سفر نامے، اہم ملکی واقعات، ادبی ثقافتی سرگرمیاں، حالاتِ حاضرہ، نئی لکھی جانے والی کتابوں کے تذکرے و تبصرے، اردو زبان کے فروغ پر مشتمل تحریریں اس کے علاوہ بین الاقوامی امور پر بھی کافی تفصیلی اور سیر حاصل گفتگو ملتی ہے۔ عالیؔ جی کے کالم چھ کتابوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

1۔ "صدا کر چلے" یہ کتاب 536 صفحات پر مشتمل ہے۔ شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی نے 1975ء میں اس کی

اشاعت کی۔ اس میں 11، جون 1973ء تا 25، نومبر 1974ء تک کم و بیش 84 کالم شامل ہیں۔

2۔ "دعا کر چلے" یہ کتاب 563 صفحات پر مشتمل ہے۔ جو مکتبۂ اسلوب کراچی سے 1988ء میں شائع ہوئی۔ اس میں

16، جولائی 1977ء تا 3،نومبر 1977ء تک کے کم و بیش 68 متفرق موضوعات کے کام شامل ہیں۔

3۔ "وفا کر چلے" یہ کتاب 705 صفحات پر مشتمل ہے۔ جنگ پبلشرز، کراچی سے 2000ء میں شائع ہوئی۔ اس میں

19، جنوری، 1979ء تا 30،نومبر 1984ء تک کے کم و بیش 183 متفرق موضوعات کے کالم شامل ہیں۔

4۔ "کار گاہِ وطن" یہ کتاب 715 صفحات پر مشتمل ہے۔ جو دنیائے ادب کراچی سے 2006ء میں شائع ہوئی۔ اس میں

4، جنوری 1985ء تا30، دسمبر 1988ء تک کے کم و بیش124 کالم شامل ہیں۔

5۔ "بار گاہِ وطن" یہ کتاب 653 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دنیائے ادب کراچی سے 2006ء میں شائع ہوئی۔

اس میں 6، جنوری 1989ء تا18، دسمبر 1992ء تک کے کم و بیش100 کالم شامل ہیں۔

6۔ "مہر و ماہ وطن" 1997ء سے 2002ء تک کے اظہاریے (کالم) کا مجموعہ ہے اس میں ایک سو دو (102) کالم شامل

ہیں۔ اس مجموعے پر رعنا اقبال اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"یہ چھ کتابیں ان کے اظہاریوں کے انتخاب پر مشتمل ہیں جن کی کل ضخامت تقریباً ساڑھے چار ہزار صفحات ہے" 3

ان کتابوں میں عالی جی نے ملکی اور غیر ملکی تناظر میں کالموں کی صورت میں مختلف حالات و واقعات، تہذیب کو بیان کیا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک کی ترقی اور ترقی پذیری کا حال بیان کیا ہے تو کہیں امریکہ، چین و روس کا آنکھوں دیکھا حال قلم زد کیا ہے۔ ان کا ہر کالم اپنے قاری کو علم کے نور سے منور کرتا ہے ہر کالم ایک نئے موضوع، ایک نئے واقعے اور ایک نئی شخصیت سے ملاقات کرواتا ہے۔ یہ عالیؔ صاحب کی دور بینی اور معاملہ فہمی کا کمال ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی بات کو بھی اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ اُس کی تمام تر افادی پہلو نکھر کر ان کے کالموں میں سامنے آجاتے ہیں۔

"سید شبیر علی کاظمی اُن کی کالم نگاری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "عالیؔ ایک طویل عرصے تک کالم نگاری کرتے رہے اُن کے تین مجموعے "صدا کر چلے"، "دعا کر چلے" اور "وفا کر چلے" شائع ہوئے۔ حالاتِ حاضرہ اہم موضوعات، شخصیات و واقعات، مسائل پر اُن کے کالم متنوع ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے، "مستقبلیات" کے مضمون سے خاص شغف ہے مگر اُن کی تمام تر تحریروں پر ایک مضمون جو حاوی ہے وہ پاکستانیت ہے۔"4

عالیؔ جی کے کالموں میں بے جا ستائش اور مبالغہ آمیزی نہیں ہے بلکہ اعتدال اور توازن کا حسین امتزاج ملتا ہے وہ خیر خواہی کی نیت سے بات کو آگے بڑھاتے ہیں عالی اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات سے موضوعات چنتے ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات اُن کے لیے یکساں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ وہ اپنے الفاظ، تراکیب اور فقروں سے بات کو نہایت سلیقے سے پیش کرنے کا فن جانتے ہیں۔ عالیؔ جی نے اپنے کالموں میں اہم قومی مسائل کو پیش کیا ہے جس سے نا صرف عوام میں بیداری پیدا ہوئی ہے بلکہ ساتھ ہی انھیں مسائل کے حل تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کے کالموں کے مطالعے سے قارئین میں اچھے اور برے کو پرکھنے کا شعور پیدا ہوتا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی سے متعارف ہوتے ہیں۔ اداروں کے انتظامی امور سے بھی آگاہی ملتی ہے۔

سید شبیر علی کاظمی لکھتے ہیں:

"عالی صاحب کے کالم ان کی نثری تخلیق کا اہم جزو ہیں۔ ان کا اس ضمن میں اپنا مخصوص رویہ ہے۔ وہ ترسیل مقاصد اور اصلاح احوال کا خیال رکھتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا کالم درس محض بن جاتا ہے۔"5

عالی صاحب نے اپنے کالموں میں مختلف امور پر قلم اٹھائے ہیں انھوں نے علمی، ادبی، سیاسی و سماجی ہر پہلو پر لکھا ہے۔ معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کو کھل کر بیان کر کے مظلوم کے حق میں نعرے لگائے ہیں۔

"حق تلفی کے معاملات میں وہ مظلوم کے وکیل ثابت ہوتے ہیں۔"6

عالی صاحب کے کالموں کی عبارت سادہ، سلیس اور عام فہم ہیں ہر طبقے سے منسلک افراد اسے بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور مسائل کا ادراک کر سکتے ہیں۔

سید شبیر علی کاظمی ایک جگہ لکھتے ہیں:

"آج کل ان کے کالموں کے عنوانات فقروں کی صورت میں جلوس میں چلتے ہیں اور ان کے افکار کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔"

عالی صاحب صرف مسائل کی نشاندہی ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے عناصر اور وجوہات کو بھی کھل کر بیان کرتے ہیں اور یہی اظہار جرأت ان کی سب سے بڑی خوبی ہے وہ ایک آزاد اور بے باک صحافی ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے مکمل آشنا ہیں ان کے کالم محض باتوں کا پلندہ نہیں ہوتے بلکہ دلائل و براہین کے ساتھ واقعات،

حادثات اور وجوہات بیان کرتے ہیں کہیں کہیں یہی دلائل اور حوالات کالم میں ثقافت کی نمائندگی کا باعث بنتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی تحریر میں عالمی ادب کے حوالے عظیم اور مفکرین کے اقوال بوجھل معلوم ہوتے ہیں مگر وہ ترسیل اور اظہار دونوں میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اظہار اور ترسیل میں زبان و بیان کی پابندیوں کے قائل نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اردو مقالات و مضامین میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔ یعنی بات مکمل کرنے کے لیے انگریزی الفاظ کے متبادل سوچنے کے بجائے بات کو زیادہ قابل فہم بنانے کے لیے من و عن بیان کر دیتے ہیں۔

عالی کے ہاں موضوعات کا تنوع ہے۔ انھوں نے اپنے کالموں میں زندگی کے کم و بیش ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کالم لکھے۔ ان تمام موضوعات میں وہ جس چیز کو فروغ دیتے ہیں یا اہمیت دیتے ہیں وہ ہے پاکستانیت۔ پاکستانیت اور خرد افروزی کے معاملے کو کبھی پس پشت نہیں ڈال سکتے تھے۔ اگرچہ اس راہ پر چلتے ہوئے انھیں کافی مشکلات کا سامنا رہا لیکن کہیں بھی سمجھوتا نہ کیا۔ عالی صاحب ان چند غیر سیاسی کالم نویسوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے ایسے مضامین بڑی بے باکی سے لکھے اور قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ کبھی ضوابط کے نام پر، کہیں سنسر، کبھی تخفیف وغیرہ۔

محمود ریاض لکھتے ہیں:

"صوبائیت کے خلاف کالموں کے ساتھ غالباً یہ ہی وہ کالم ہیں جن کی وجہ سے انھیں ایک اچھے خاصے کیریئر میں بار بار سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا لیکن وہ جب بھی ان موضوعات پر لکھتے ہیں کسی سمجھوتے کا مظاہرہ نہیں کرتے۔"7

عالی صاحب کو پاکستان کے مستقبل سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام جذبہ حب الوطنی سے سرشار تھے۔ یہ حب الوطنی محض وقتی نہ تھی بلکہ اس میں مکمل پاکستانیت کا احاطہ ملتا ہے۔ بنیادی قوتیں اور ان کے امکانات، پسماندگی اور اس کی وجوہات، حکومتی پاسباں اور ان کی کامیابی و ناکامی وغیرہ پر بھرپور سائنٹفک انداز سے معاشرت اور سماج کا اصل روپ پیش کرتے ہیں۔ صوبائیت کے مضر اثرات، اس کے طبقاتی نظام اور استحصالی اقدار کے بارے میں کھل کر بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ رہی کہ انھیں اعلیٰ عہدوں سے ہٹا دیا گیا ان سب کے باوجود عالی صاحب نے اپنی تحریروں میں عوامیت کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ عوام کے عام مسائل جیسا کہ بے روزگاری، جہالت، بیماری اور استحصالی جیسے موضوعات پر بلا جھجک لکھا اور ان سب کے پیچھے جو ایک اہم عنصر تھا وہ تھا مقصدیت، عالی مقصدیت کے حصول کے لیے ہر طرح کی کوششوں میں مصروف عمل رہتے تھے۔ اگرچہ اس ضمن میں اور اچھے وقت کے انتظار میں انھوں نے جمالیات سے بھی استفادہ کیا تاکہ مسائل کے دور رس اور مثبت

نتائج حاصل ہو سکیں عالی جی کو علاقائی تقاضوں سے بہت لگاؤ تھا اور وہ اس کی ترویج کے لیے کوشاں تھے ان کا ماننا تھا علاقائی ثقافت پاکستانیت کی وحدت کے لیے ناگزیر ہے۔

جمیل الدین عالی صاحب کا شمار پاکستان کے اُن ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے کم و بیش 50 سال صحافتی خدمات انجام دیں اور کالم کی صورت میں معاشرتی اصلاح و تشکیل کے لیے مصروفِ عمل رہے۔ آپ کے کالم نہ صرف عام معاشرتی مسائل کو منظر عام پر لاتے تھے بلکہ ان کے حل کے لیے پیش رفت بھی کرتے تھے جس طرح شاعری میں فوجی گیت اور دوہوں نے عالی صاحب کو عظمت کی بلندی پر پہنچایا اسی طرح آپ کے کالم نے آپ کو صحافت کے میدان کا ایک اہم کھلاڑی بنا دیا۔ غرض عالی صاحب نثر و نظم دونوں میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

بقول رعنا اقبال:

"ان کی کالم نویسی ایک اہم موضوع فروغ دانش ہے۔ وہ اپنے عہد کی ایک ممتاز اور قد آور ادبی شخصیت ہیں اور نظم و نثر دونوں میں ان کا سکہ چلتا ہے۔"8؎

عالی صاحب نے ادب کی خدمت صرف خام خیالی باتوں تک محدود نہیں رکھی تھی بلکہ عملاً قلمی و علمی محنت سے نثری و نظمی تخلیقات سے اردو ادب کو فروغ دیا۔ ان تخلیقات نے اردو ادب کو کئی جہتیں عطا کیں اور کئی دشوار اصناف کی راہ ہموار کی۔

رئیس امروہوی:

اردو ادب کا ایک بڑا نام رئیس امرہوی یوپی کے شہر امروہہ میں 12، ستمبر 1914ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان میں ادب سے وابستہ اور بھی کئی نام ہیں۔ رئیس امروہوی کا اصل نام سید محمد مہدی تھا آپ کے والد علامہ سید شفیق حسن ایلیاء بھی ایک شاعر تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائیوں میں ایک محمد تقی اور دوسرے جون ایلیاء تھے۔

رئیس امروہوی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز 1931ء میں ماہنامہ حیات کی ادارت سے کیا۔ 1941ء میں مراد آباد کے ایک ماہنامے "مسافر" میں ادارت کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد "جنت" کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے کچھ ہی عرصے بعد دہلی سے جاری ہونے والے ماہنامے "مشہور" سے منسلک ہوئے۔ دہلی میں سکونت کے دوران ہی روزنامہ جنگ سے وابستہ ہوئے تھے پھر آزادی کے بعد جنگ پاکستان منتقل ہو گیا۔ رئیس امروہوی صاحب بھی اکتوبر 1947ء کو پاکستان آگئے اور پھر جنگ سے باقاعدہ طور پر وابستہ ہو گئے۔

"تقسیم ہند کے بعد 19، اکتوبر 1947ء کو ہجرت کر کے کراچی آگئے اور روزنامہ جنگ سے منسلک ہونے کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔"9؎

رئیس امروہوی صاحب کی وجہ شہرت ان کی قطعہ نگاری ہے اور کم و بیش چالیس برس جنگ کے لیے روزانہ ایک قطعہ لکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے انھیں بیسویں صدی کا سب سے بڑا قطعہ گو شاعر کہا جاتا ہے۔ رئیس امروہوی صاحب کے قطعات حالات حاضرہ کے عین مطابق ہوتے تھے یعنی کہنا بے جا نہ ہو گا کہ امروہوی صاحب کے قطعات پاکستان کی منظوم تاریخ ہیں کیونکہ جیسے جیسے حالات اور واقعات وقوع پذیر ہوتے انہی کے مطابق قطعات لکھے جاتے تھے۔ روزنامہ جنگ میں وہ صرف قطعہ ہی نہیں لکھتے تھے بلکہ ساتھ ہی کالم نگاری بھی کرتے تھے۔ غرض امروہوی صاحب کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ شاعری اگر ان کی زندگی کی ایک جہت ہے تو صحافت ان کی زندگی کا دوسرا رُخ ہے۔ امروہوی صاحب جنگ میں ہفتہ وار کالم لکھا کرتے تھے۔ اس کالم کا موضوع سیاست، سماجیات، مابعد الطبیعات، نجوم، فلسفہ، نفسیات اور خطوط پر مشتمل تھا۔ اپنے کالم میں وہ نہ صرف مختلف مسائل اور واقعات پر لکھتے بلکہ عوام کے خطوط کا جواب بھی دیتے تھے بعض کالموں میں انھوں نے بہت سی پیشن گوئی کی تھیں جو کہ بعد میں درست ثابت ہوئیں۔

جیسا کہ روزنامہ جنگ کراچی کے 27، اپریل 1984ء کے اخبار کے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

" آج کل عام لوگوں میں پاک و ہند جنگ کا چرچا ہے لوگ خوفزدہ ہیں۔ عام خیال ہے کہ ہندوستان حملہ کرے گا۔ حالانکہ ازروئے نجوم ایسی کوئی بات نہیں سال (85-1984ء) کے زائچے میں کوئی جنگی فارمولا نہیں ہے"10؎

رئیس امروہوی صاحب کے کالم نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں ہوتے تھے جسے معاشرے کا ہر فرد بآسانی پڑھ اور سمجھ سکتا تھا۔ پاکستان میں لوگوں کی بڑی تعداد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئی تھی وہ اپنے بہت سے احباب اور یادیں ہندوستان چھوڑ آئے تھے۔ ان سب کے دلی جذبات اور کیفیات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

"1947ء کے بٹوارے میں تقسیم ہو جانے والے خاندانوں کی نظر میں اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے ملنے کے لیے ہندوستان کا سفر حج کعبہ اور مقامات مقدس کی زیارت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔" 11؎

ان کے کالموں میں زیادہ تر خطوط تھے۔ امروہوی صاحب چونکہ ایک ماہر نفسیات بھی تھے وہ لوگوں سے ان کی نفسیات کے عین مطابق بات کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جو خطوط انھیں موصول ہوتے تھے ان میں لوگ زیادہ تر اپنے نجی مسائل کو بیان کرتے تھے اور رئیس امروہوی صاحب اُن کے مسائل کا حل تلاش کر کے اپنے کالم کے ذریعے بیان کرتے تھے کیونکہ وہ سیاسیات، سماجیات، نفسیات، علم نجوم، علم فلکیات، روحانیت سمیت بہت سے علوم سے واقف تھے لہٰذا لوگ اپنے معاشی، سماجی، ازدواجی اور روحانی مسائل بیان کرتے تھے۔ امروہوی صاحب

انہی علوم کی روشنی میں حل پیش کرتے تھے۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ کم و بیش دو لاکھ خطوط پر مشتمل ہیں اور یہ خطوط بھی وہی ہیں جو کہ انھوں نے اخبار میں پیش کیے۔ لوگ ان سے ذاتی رابطے بھی کرتے تھے اور امروہوی صاحب سب کو یکساں جواب دیا کرتے تھے۔

خطوط کے موضوعات کے تنوع میں ہی ان کے کالم کے موضوعات بھی تنوع کے حامل ہوتے ہیں جو کہ خالصتاً عوام کی مشکلات، پریشانی اور مسائل کی بنیاد پر استوار ہیں۔ تاہم یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ امروہوی صاحب کالم نگار سے کہیں زیادہ ایک شاعر اور ایک قطعہ نگار تھے اور ان کے قطعات ہی دراصل ان کی شہرت کی بنیادی وجہ ہے۔

رئیس امروہوی 22، ستمبر 1988ء کو کراچی میں نامعلوم افراد کی گولیوں کا نشانہ بن کر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

ارشاد احمد حقانی:

ارشاد احمد حقانی کا شمار پاکستان کے مشہور صحافی، کالم نگار اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ آپ 6، ستمبر 1928ء کو قصور کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز انھوں نے گورنمنٹ کالج قصور سے بحیثیت لیکچرار کیا۔ 1981ء سے روزنامہ جنگ لاہور سے جاری ہونا شروع ہوا۔ حقانی صاحب بھی جنگ سے وابستہ ہوئے اور ایک سینئر مدیر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ روزنامہ جنگ میں آپ کا کالم "حرفِ تمنا" کے نام سے شائع ہوتا تھا۔

"روزنامہ جنگ" یکم اکتوبر 1981ء کو لاہور سے شروع ہوا تو اس کے ادارتی صفحہ پر باقاعدگی سے لکھنے لگے۔ بعد میں انھوں نے اپنے اس مستقل سلسلے کے لیے "حرفِ تمنا" کا عنوان تجویز کر کے اسے ایک کالم کی شکل دے دی"[12]

اس کے علاوہ معراج خالد کی نگراں حکومت کے دور میں وزیر اطلاعات بھی رہے۔ نوجوانی میں جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہوگئے تھے اور جماعتِ اسلامی کے جریدے "تسنیم" کے لیے بھی کام کیا۔ یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلتا رہا یہیں سے حقانی صاحب کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا تھا لیکن کچھ وجوہات کی بناء پر 1956ء میں جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوگئے۔

"1956ء ماچھی گوٹھ میں ہونے والے اجتماع میں ارشاد احمد حقانی امین احسن اصلاحی کے ہمراہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوگئے تھے۔"[13]

ارشاد احمد حقانی صاحب جمہوریت کے دلدادہ تھے۔ وطن سے بے پناہ محبت تھی اور یہی محبت انھیں صحافت کے میدان میں لے آئی تھی۔ صحافت اور وطن سے اس لازوال محبت کی بناء پر انھیں بابائے صحافت قرار دیا جانا غلط نہیں ہے۔ آپ ایک بے باک نڈر صحافی تھے سچائی بیان کرنے اور حق بات بولنے میں کبھی کسی تردد کا شکار نہیں ہوئے۔ بھٹو، ضیاء الحق، جونیجو، بے نظیر اور نواز شریف کے دورِ حکومت پر بھی تبصرے کیے اور نکتہ چینی کیں۔ نواز شریف کو دوسرا دور حکومت اس ہی وجہ سے حاصل ہوا کہ بے نظیر کے دور میں ارشاد احمد حقانی صاحب نے اس کی حکومت پر کڑی تنقید کی تھی۔ نواز شریف کے دور میں اس حکومت پر نکتہ چینی کے سبب نواز شریف نے حقانی صاحب کو روزنامہ جنگ سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

حقانی صاحب ایک سچ پرست کالم نگار تھے۔ دنیا میں ہونے والے واقعات، حالات کو غیر جانبداری سے دیکھتے تھے اور ان میں ہونے والی بد استحصالیوں، ناانصافیوں اور کرپشن کو من وعن بیان کر دیتے تھے اور زور قلم ایسا تھا کہ مضبوط سے مضبوط تر حکومت کے پائے تخت الٹ دیتے تھے۔ کالم کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی تھی۔ موضوعات زیادہ تر سیاسی نوعیت کے ہوتے تھے۔ کہیں اگر سماجی یا ثقافتی پہلو پر بات ہو بھی جائے تو وہ بھی سیاسی تناظر میں ہوتی تھی۔

"سندھ کے موجودہ بحران کی سنگینی کے پس پردہ جو اسباب کارفرما ہیں ان میں سیاسی اور معاشی استحصال اور شکوہ وشکایات کو یقیناً اپنی جگہ اہمیت حاصل ہے۔"14؎

حقانی صاحب کے نزدیک معاشرے میں پھیلی افراتفری اور بدامنی کا حل صرف اور صرف تعلیم ہے وہ لکھتے ہیں:

"بہتر تعلیم وتربیت سے قومی یا قومیتی انائیت کا قلع قمع بھی کیا جاسکتا ہے۔"15؎

ان کے نزدیک معاشرتی انتشار کی بڑی وجہ غیر منصفانہ تقسیم ہے جس نے معاشرے میں طبقات کو جنم دیا ہے یہ طبقات کا فرق ہی معاشرتی برائی کی بنیاد ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"مختصر مدت میں تمام لوگوں کے مسائل حل نہیں کیے جاسکتے لیکن کارکنوں سے یہ حق بہر حال نہیں چھینا جاسکتا کہ وہ اپنے احساس محرومی اور تلخی جذبات کا اظہار کریں۔"16؎

ارشاد احمد حقانی صاحب کالموں میں حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان واقعات کے سیاست اور سماج پر رونما ہونے والے مثبت اور منفی اثرات پر تبصرہ کرتے ہیں۔ کس تنظیم کا کونسا عمل مثبت ہے اور کونسا عمل منفی ہے ان سب پر حقانی صاحب کی کڑی نگاہ ہوتی تھی اور وہ اس کو اپنے کالموں میں زیرِ بحث لاتے تھے۔

"پی پی کی قیادت کو اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حالات کا پر سکون رہنا اس کے مفاد میں ہے۔ وہ اپنی جائز سیاسی سرگرمیاں ضرور جاری رکھیں مثبت اقدامات اور اپنے منشور کی تکمیل کے لیے کیے جانے والے فیصلوں کے ذریعہ اپنے سیاسی اثر و رسوخ کے تحفظ کی کوشش بھی کرے لیکن اپنی مخالف سیاسی قوت سے معاملہ کرنے میں زیادہ سے زیادہ وسیع القلبی و سیع النظری، بالغ نظری، تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرے۔"17ـ

"صرف مسلم لیگ کے صدر جناب محمد خان جونیجو نے سیاسی کلچر کی اچھی روایات کی پاسداری کی ورنہ ان کے بیشتر و مقررین نے پھکڑ بازی اور بیہودہ گوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔"18ـ

ارشاد احمد حقانی صاحب نے عوام کو درپیش مسائل کو کالم کا موضوع بنایا۔ ساتھ ہی حکمرانوں کی کوتاہیوں کو بھی بیان کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے کالم عوام میں نہایت مقبول تھے۔ وہ اپنی صحافیانہ صلاحیتوں سے بھرپور کام لینا جانتے تھے ان کے کالم سیاسی لیڈروں اور سیاسی حالات پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں ان کے کالم کبھی تلخ تو کبھی طنز کے رنگ سے آمیز ہوتے ہیں۔ سادہ انداز میں بڑی بات کہہ دینے کا فن جانتے تھے۔

عبد القادر حسن:

عبد القادر حسن ضلع خوشاب کے گاؤں میں 12، مئی 1935ء میں پیدا ہوئے اور آپ کا انتقال 30، نومبر 2020ء کو لاہور میں ہوا۔ آپ نے باقاعدہ طور پر کوئی تعلیم حاصل نہ کی بلکہ مختلف علوم کے ماہر اشخاص سے تعلیم حاصل کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کو ایک نظریئے کہ تحت گزارنے کے عادی تھے۔ ابتداء میں جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے یہاں نظریاتی اساس کو مزید پختگی ملی۔ نوائے وقت سے صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔

"1954ء میں روزنامہ "نوائے وقت" سے صحافت کا آغاز کیا کالم نویسی ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور سے شروع کی۔ اس ہفت روزہ میں آپ "لاہور کی ڈائری" کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔"19ـ

کچھ ہی عرصے بعد ہفت روزہ "لیل و نہار" اور روزنامہ جنگ میں لکھتے رہے جب کہ "روزنامہ امروز" کے مدیر بھی رہے۔ اگرچہ کہ یہ ان کی نظریاتی اساس کے منافی تھا۔ کچھ عرصہ یہاں گزارا اور پھر نوائے وقت میں بحیثیت رپورٹر کام کیا۔ یہیں سے انھوں نے کالم نگاری کا آغاز کیا۔ رپورٹنگ میں انھوں نے صرف سیاست کے میدان کا انتخاب کیا اور ان کی کالم نگاری بھی سیاسی موضوعات پر ہی ہوتی تھی یہ الگ بات ہے کہ ان کے کالم کا نام "غیر سیاسی باتیں" ہے عبد القادر حسن صاحب تادم مرگ اس ہی نام سے مختلف اخبارات میں کالم لکھتے رہے۔

عبد القادر حسن کا کالم عوام میں اس لیے بڑا مشہور تھا کیونکہ ان کا کالم نہایت منفرد اور دلیرانہ ہوتا تھا۔ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہنے کی جرأت عبد القادر حسن کے ہاں بیش بہا تھی۔ وہ نہ صرف حکومت کے عہدیداروں

سے ڈٹ کر بات کرتے تھے بلکہ فوجی سربراہوں کے دور میں بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت رکھتے تھے۔

روزنامہ جنگ میں قارئین اور الیکشن شیخوپورہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ:

"شیخوپورہ کے مشہور الیکشن سے پہلے آپ کے اخبار میں جناب فخر زمان صاحب کا بیان چھپا کہ اگر اسلامی اتحاد والوں نے حلقہ 140 میں غنڈہ گردی کی تو ہم ان کو منہ توڑ جواب دیں گے جبکہ ہم شرافت کے علمبردار ہیں۔ یہ عجیب متضاد بیان ہے کہ شرافت کے علمبردار غنڈوں کو منہ توڑ جواب کیسے دیں گے۔ غنڈوں کا منہ تو ان سے بڑا غنڈہ ہی توڑ سکتا ہے بس یہی بات میری سمجھ نہیں آتی"20؎

کالم کا موضوع سیاسی تو تھا ہی لیکن ساتھ "غیر سیاسی کالم" بھی لکھتے تھے ان کے بہت سے کالم تعزیتی کالم بھی ہیں جن میں انھوں نے اپنے بعض احباب کے دنیا سے رخصت ہونے کے دکھ کا اظہار کیا ہے۔

زاہدہ حنا:

زاہدہ حنا کا تعلق پاکستان کے نامور شاعر، فلسفی، سوانح نگاروں میں ہوتا ہے۔ آپ 1946ء میں ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ قیام پاکستان کے بعد والدین کے ساتھ کراچی آباد ہو گئیں اور کراچی ہی میں آپ کی پرورش ہوئی۔

"زاہدہ حنا کا سب سے پہلا مضمون ماہنامہ انشاء میں 1962ء میں چھپا"21؎

صحافت سے باقاعدہ طور پر 1960ء میں وابستہ ہوئیں اور صحافت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے 1988ء میں روزنامہ جنگ سے وابستہ ہوئیں اور کم و بیش 2005ء تک جنگ میں خدمات انجام دیتی رہیں۔ اگرچہ پاکستان میں زاہدہ حنا کے علاوہ بھی کئی خواتین کے نام ہیں جو صحافت سے وابستہ ہیں لیکن زاہدہ حنا ان میں سب سے سینئر کالم نگار ہیں جو نہایت سنجیدگی اور خلوص سے اپنے فرائض کی ادائیگی کر رہی ہیں صحافت کے علاوہ بھی کئی اصناف میں آپ کی بہت سی کتب ہیں۔ آپ کی شاندار خدمات کے نتیجے میں آپ کو فیض ایوارڈ، ادبی پرفارمنس ایوارڈ، ساغر صدیقی ایوارڈ، کے پی ایوارڈ، سندھ اسپیکر ایوارڈ، سارک لٹریری ایوارڈ سے نوازا گیا۔

"اگست 2006ء میں انھیں صدارتی ایوارڈ تمغہ حسن کارکردگی کے لیے نامزد کیا گیا مگر فوجی آمر کے خلاف احتجاج کے طور پر انھوں نے اس ایوارڈ کو مسترد کر دیا۔"22؎

کالم نگاری کے سلسلے میں زاہدہ حنا کا نام ادبی اور سیاسی حلقوں میں بہت اہم جانا جاتا ہے۔ آپ ملکی و عالمی حالات و واقعات کو اپنے کالموں میں قلم زد کرتے ہوئے غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے بے لاگ تبصرہ کرتی ہیں۔ سیاسی موضوعات و نظریات پر ان کا قلم نہایت بے باکی سے تبصرہ کرتا ہے آپ نے اپنے کالموں میں نہایت نازک اور احساس موضوعات پر بھی نہایت بے باکی سے کھل کر تبصرہ کر کے جرأت مندانہ اقدام کا مظاہرہ کیا ہے۔

آپ کا قلم صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے سے کہیں نہیں چوکتا۔ باطل کے سامنے اپنے نظریات کے لیے ڈٹ جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں آپ کے کالم اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ آپ عوام کے مستقبل کے لیے ایک خاص جذبہ رکھتی ہیں۔

"اپنا زیادہ وقت کالم نگاری کو دیا، بہت اچھے، بروقت کالم لکھ کر عوام میں شعور بیدار کیا، حکومت وقت کو غلط اور صحیح کا احساس دلایا۔"23ے

آپ کے کالم صرف سیاسی، معاشی حالات پر ہی نہیں تھے بلکہ ان کے موضوعات میں ادب، شاعری، طنز و مزاح،، خودنوشت، تنقید، مکتوبات کتاب اور صاحب کتاب، ڈرامہ، فلموں پر تبصرہ، اسٹیج ڈراموں پر تنقید و تعریف، خواتین کے مسائل، مردوں کی مشکلات، تاریخ و سوانح خاکے، بچوں کے لیے معلومات وغیرہ سب ان کے کالموں کا موضوع رہے ہیں۔ اس تفصیل کے مدِ نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زاہدہ حنا کے کالم زندگی کے ہر شعبے کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان سے منسلک مسائل کو موضوع بناتے ہوئے ان پر تبصرہ کرتے ہیں۔

"بلاشبہ زاہدہ حنا ایک کہنہ مشق صحافی ہیں، ادب اور صحافت ان کی رگ وپے میں بسی ہوتی ہے، ان کے کالم مختصر، زبان معیاری و ادبی اور شستہ ہوتے ہیں، ان کے بعض جملے گہری کاٹ رکھتے ہیں اور قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"24ے

جنگ میں لکھے اپنے ایک کالم " قائد کے وارث" میں قائد اعظم کی برسی کے موقع پر ایک انداز سے قائد اعظم کو یاد کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

"گزشتہ چالیس برسوں میں ہم نے پہلی مرتبہ قائد اعظم کا سوگ ان کے شایان شان منایا۔ شہر شہر جلسے ہوئے اور قریہ قریہ انھیں یاد کیا۔"25ے

اس اقتباس سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ بحیثیت قوم ہم نے اپنے محسن کے لیے اب تک نذرانہ عقیدت میں کچھ بھی ایسا نہیں کر سکے جیسا کہ کیا جانے کا حق تھا۔ یہ ایک طنز تھا ہماری قومی بے حسی پر اس ہی کالم میں آگے کراچی کے جلسے میں کی جانے والی تقریر کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا کہ کس طرح قائد کے حامیوں کی تقریر سے اقتباس چن کر کس طرح انھیں "خواتین مذمتی" تقریر کے روپ میں پیش کیا گیا اور یہ کام اس دور کی حکمران جماعت ہی نے سرانجام دیا تھا۔ زاہدہ حنا نے اس کالم میں اس جانب توجہ دلائی کہ قائد اعظم خواتین کا احترام کرتے تھے تو ان کے حامی کیسے خواتین کے لیے نازیبا گفتگو کر سکتے ہیں۔

زاہدہ حنا اپنے کالم میں لکھتی ہیں:

"یہ بیان پڑھ کر مجھے گمان گزرا کہ شاید لاہور ویف نے جوش جذبات میں اتنا سخت بیان دیا ہے، ورنہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ قائداعظم کی مسلم لیگ کے جلسہ عام میں کسی بھی عورت یا کسی بھی مرد کے بارے میں تہذیب سے گری ہوئی زبان استعمال کی جائے۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ لاہور کے وہ بزرگ جنھوں نے قائداعظم کی آنکھیں دیکھی ہیں اور جس میں سے چند یقیناً اس جلسے میں موجود بھی ہوں گے انھوں نے حد ادب عبور کرنے والوں کو روکا نہ ہو اور انھیں چرکیں اور جعفر زٹلی کی زبان استعمال کرنے سے ٹوکا نہ ہو۔"26ے

اسی طرح ایک اور کالم میں اساتذہ پر لگائی جانے والی "نیٹا" کی جانب سے بے بنیاد پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

"اس "ڈرافٹ کوڈ" کی ایک دلچسپ شق یہ بھی ہے کہ یونیورسٹی کا کوئی ملازم بلاواسطہ یا بلواسطہ طور پر قومی یا صوبائی اسمبلی کے ممبران سے رابطہ کر کے یہ کوشش نہیں کرے گا کہ وہ رکن اسمبلی یونیورسٹی کے ملازم کی طرف سے کسی بھی معاملے میں دخل اندازی کرے۔

اسی طرح ایک شق کچھ اس طرح وضع کی ہے کہ یونیورسٹی کا کوئی ملازم جب تک سنڈیکٹ کی پیشگی منظوری حاصل نہ کرلے ریڈیو اور ٹی وی کے کسی پروگرام میں حصہ نہیں لے گا کوئی مضمون نہیں شائع کرائے گا حد تو یہ ہے کہ کسی اخبار یار سالے کو اپنے نام سے یا گمنام طور پر کوئی مراسلہ بھی اشاعت کے لیے نہیں بھیجے گا"27ے

زاہدہ حنا کے کالموں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ وہ ہفتہ وار دو کالموں کا سلسلہ رکھتی تھیں اس مناسبت سے ان کے کالم کثیر التعداد ہیں لیکن انداز نہایت جامع اور مربوط ہے۔

"زاہدہ حنا مختصر لفظوں میں بڑی بڑی باتیں کر جاتی ہیں۔"28ے

جمیل الدین عالیؔ، رئیس امروہوی، ارشاد احمد حقانی، عبدالقادر حسن اور زاہدہ حنا اردو صحافت کے بڑے نام ہیں۔ رئیس امروہوی درحقیقت شاعر تھے ان کی وجہ شہرت کالم سے زیادہ قطعات کی وجہ سے تھی۔ لیکن کالم میں عام عوام کے مسائل بیان کیے گئے اور خطوط کے جوابات دیئے گئے اس کے ساتھ ہی جب ہم ارشاد احمد حقانی کے کالموں کا جائزہ لیں تو ان کے کالموں میں ہمیں حق و سچ کے نعرے ملتے ہیں وہ حکمران وقت کے خلاف بھی اونچی آواز میں نعرے لگانے سے دریغ نہیں کرتے اسی طرح عبدالقادر حسن کے کالموں میں ہمیں حالات حاضرہ کے حوالے سے مکمل معلومات ملتی ہیں۔ سیاسی واقعات کی مکمل ترجمانی ملتی ہے۔ زاہدہ حنا کے کالم معاشرتی بے حسی، گھٹن کے خلاف ایک ابھرتی ہوئی آواز ہیں۔ جمیل الدین عالیؔ کا شمار بھی اگرچہ محقق، نقاد اور شاعر میں ہوتا ہے ان کی وجہ شہرت اگرچہ دوہے، گیت اور قومی نغمے ہیں ان سب سے قطع نظر کر کے اگر ہم صرف عالی صاحب کے

کالموں کا جائزہ لیں تو وہ کالم بھی مکمل طور پر پوری سماج کا عکاس نظر آتے ہیں۔ ان میں معاشرے میں ہونے والی اچھی بری ہر تبدیلی کو زیرِ بحث لاتے ہوئے معاشرے کے منفی پہلوؤں کے خلاف آواز اُٹھائی گئی ہے۔

مجموعی طور پر اگر ان ادیبوں و صحافیوں کا جائزہ لیں تو ہر فرد اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ عبد القادر حسن صاحب ایک منجھے ہوئے صحافی، رئیس امروہوی صاحب سیاست سے بے پناہ لگاؤ رکھنے والے شاعر و صحافی، ارشاد احمد حقانی صاحب حالات و واقعات پر گہری نگاہ رکھنے اور تجزیہ کرنے کے ماہر ہیں۔ زاہدہ حنا ایک نقاد، فلسفی، ادیبہ اور صحافی ہیں اور ہر شعبہ میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ جبکہ جمیل الدین عالی صاحب کا جب ہم ذکر کرتے ہیں تو عالی صاحب اس حوالے سے اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں کہ اُن کی تحریروں میں خاص طور پر کالموں میں ہمیں وطنیت پرستی عروج پر ملتی ہے وہ اپنے کالموں میں عوام کے دکھ کی دہائی دیتے ہیں زخموں کو بیان کرتے ہیں ساتھ ہی زخموں پر مرہم بھی رکھتے ہیں ان کی مشفق شخصیت ان کی تحریروں میں نمایاں رہتی ہے۔

محوالہ بالا خصوصیات کے حامل عالی کو ہم ایشیا کے اہم کالم نگاروں میں شمار کرتے ہوئے اُن کی تخلیقات کی بنا پر ان کی شخصیت کو ایک ممتاز کالم نگار کی حیثیت مسند نشین کریں تو یہ بے جانہ ہو گا۔ نیز عالی کی ادبی، تخلیقی اور محققانہ حیثیت کو تسلیم کرنے میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہو گا کیونکہ ان کی شخصیت اور ان کی تخلیقات کا فی زمانہ کوئی موازنہ سامنے نہیں آیا۔

حواشی

ا۔ سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، سلسلہ مطبوعات، ترقی اردو بیورو، جنوری، مارچ 1989ء، ص318

2۔ اصولِ صحافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، اشاعت گیارہویں، 2003ء، ص295

3۔ بیگم رعنا اقبال، پاکستانی ادب کے معمار، جمیل الدین عالی شخصیت و فن، کراچی، ص57

4۔ نسیم فاطمہ، ڈاکٹر، جمیل الدین عالی نمبر، ماہنامہ قومی زبان، انجمن ترقی اردو، پاکستان، مئی 2016ء، ص۔218

5۔ شبیر علی کاظمی، عالی کا نظریہ نگارش، جمیل الدین عالی، فن اور شخصیت، ایم حبیب، اشاعت، اول، ص۔65

6۔ ایضاً

7۔ محمود ریاض، عرض ناشر صدا کر چلے، دنیائے ادب، کراچی، ص۔744-745

8۔ بیگم رعنا اقبال، پاکستانی ادب کے معمار، جمیل الدین عالی شخصیت و فن، کراچی، ص۔174

9۔ رئیس امروہوی https://ur.wikipedia.org/wiki/

10۔روزنامہ جنگ کراچی،27،اپریل1984ءص۔3

11۔روزنامہ جنگ کراچی،27،اپریل1984ءص۔3

12۔ڈاکٹر شفیق جالندھری،اُردو کالم نویسی،اے ون پبلشرز،لاہور،1993ء،ص165

13۔ارشاد احمد حقانی https://www.urdupoint.com/daily/latest-columns/irshad-ahmed-haqqani.html

14۔ارشاد احمد حقانی،سندھ کے نسلی اور لسانی مسئلہ کی بحث،روزنامہ جنگ،4، ستمبر1987ء،ص3

15۔ایضاً

16۔ارشاد احمد حقانی،پی پی پی حکومت کو چند مشورے۔۔۔ردِ عمل(2)،روزنامہ جنگ،14، ستمبر1989ء،ص3

17۔ارشاد احمد حقانی،ریلیوں کی دوڑ اور اس کے بعد،روزنامہ جنگ،19، ستمبر1989ء،ص3

18۔ایضاً

19۔ڈاکٹر شفیق جالندھری،اُردو کالم نویسی،اے ون پبلشرز،لاہور،1993ء،ص213

20۔عبدالقادر حسن، قارئین اور الیکشن شیخوپورہ(غیر سیاسی باتیں)،روزنامہ جنگ،9، ستمبر1989ء،ص3

21۔زاہدہ حنا https://ur.wikipedia.org/wiki/

22۔(آزاد دائرۃ المعارف۔زاہدہ حنا https://ur.wikipedia.org.wiki/)

23۔https://humsub.com.pk/355891

24۔ایضاً

25۔زاہدہ حنا،نرم گرم(قائد کے وارث)،روزنامہ جنگ،30، ستمبر1989ء،ص3

26۔ایضاً

27۔زاہدہ حنا،اساتذہ اور ڈرافٹ کوڈ،روزنامہ جنگ،29، ستمبر1989ء،ص3

28۔https://humsub.com.pk/355891

1. Syed Iqbal Qadri, Rahbar Akhbar Navesi, Silsila Matbuaat, Taraqi Urdu Beauro, Jan, March 1989, Pg# 318
2. Asool-e-sahafat, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Edition- 11th , 2003, Pg#295
3. Begum Rana Iqbal, Pakistani Adab kay Maymaar, Jameel Uddin Aali Shakhsiat o fun, Karachi, Pg#57
4. Naseem Fatima, Dr, Jameel Uddin Aali Number, Mahnamae qaumi zaban, Anjuman Taraq-e-Urdu, Pakistan, May 2016, Pg#218
5. Shabbir Ali Kazmi, Aali ka Nazaria-e-Nigarish, Jamil Uddin Aali, Fun or Shaksiat, M Habib, 1st Edition, Pg# 65
6. Same as above
7. Mahmud Riaz, Arz-e-Nashir Sada Kar Chalay, Duniya-e-adab Karachi, Pg#744-745
8. Begum Rana Iqbal, Pakistani Adab kay Maymaar, Jameel Uddin Aali Shakhsiat o fun, Karachi, Pg#174
9. https://ur.wikipedia.org/wiki/RaisAmrohvi
10. Daily Jang Karachi, 27,April 1984, Pg#3
11. Daily Jang Karachi, 27,April 1984, Pg#3
12. Dr. Shafiq Jalandhri, Urdu Column Navesi, A One Publishers, Lahore, 1993, Pg#165
13. https://www.urdupoint.com/daily/latest-columns/irshad-ahmed-haqqani.html
14. Irshad Ahmed Haqqani, Sindh kay nasli aur lisani masla ki bahas, daily jang, 4, September 1987, Pg# 3
15. Same as above
16. Irshad Ahmed Haqqani, PPP Hukumat ko chand mashwaray….. rad-e-amal (2), daily jang, 14th September 1989, Pg# 3
17. Irshad Ahmed Haqqani, railio ki duar aur is ky bad, daily jang, 19th September 1989, Pg#3
18. Same as above
19. Dr. Shafiq Jalandhri, Urdu Column Navesi, A One Publishers, Lahore, 1993, Pg#213
20. Abdul Qadir Hassan, qarin aur election Shekhopura (Gair Siasi Batain), daily Jang, 9th , September 1989, Pg# 3
21. https://ur.wikipedia.org/wiki/zahidahina
22. https://ur.wikipedia.org/wiki/zahidahinaazaddairat-ul-maarif
23. https:humsub.com.pk/355891
24. same as above
25. Zahida Hina, Narm Garm (quaid kay waris), daily jang, 30th September 1989, Pg#3
26. Same as above
27. Zahida Hina, asastza aur draft code, daily jang, 29th September 1989, Pg# 3
28. https:/humsub.com.pk/355891